بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریکِ رجوع الی القرآن والسنّہ

اور موجودہ دور میں اس کی معنویت

ظفر الاسلام اصلاحی

ہندوستانی علماء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) ایک ممتاز عالم و مصنف، عظیم مفکر و مصلح کی حیثیت سے کافی مشہور ہیں، لیکن ان کی آخر الذکر حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے، اس کے متعدد وجوہ ہیں:

☆ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی مصروفیات کے ساتھ انھوں نے اصلاح معاشرہ پر بھرپور توجہ دی جب کہ عام طور پر مذکورہ مصروفیات سے تعلق رکھنے والے حضرات یا تو گوشہ نشیں رہتے ہیں یا عوامی سطح پر اتر کر سماج کی نبض پر ہاتھ رکھنا اور عام لوگوں کے مسائل سے باخبر ہوکر ان کے حل کے لیے کوشش کرنا گوارا نہیں کرتے۔

☆ اپنی اصلاحی تحریک شروع کرنے سے پہلے شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے مسلمانوں کی مذہبی، سماجی، معاشی و سیاسی زندگی کا بغور جائزہ لیا اور علماء و صوفیاء، اہل حکومت و عوام سب کے احوال و کوائف کا گہرا مطالعہ کیا اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے امراض کی نشان دہی کی۔

☆ شاہ ولی اللہؒ نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی انفرادی و ملی زندگی کو لاحق ہونے والے امراض کی تشخیص کی بلکہ ان کا علاج بھی تجویز کیا، انھوں نے محض مسائل کا انبار نہیں لگایا بلکہ ان کے حل کے لیے موثر و مفید تدابیر بھی سمجھائیں۔ جب کہ دوسرے مصلحین نے عام طور پر یا تو صرف امراض کی نشان دہی کی ہے یا محض اصلاحی تجاویز و تدابیر پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

☆ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم معاشرہ کے کسی خاص طبقہ کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بنایا بلکہ مختلف طبقہ کے لوگوں (بادشاہ وامراء، علماء وصوفیا، سپاہی وافسران، اہل حرفت وصنعت اورعوام) کی اصلاح کے لیے کوشش کی اور اپنی تحریروں میں ان میں سے ہر طبقہ کے حالات کے اعتبار سے ان سے الگ الگ انداز میں خطاب کیا اور انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں اصلاحِ حال کی دعوت دی۔

☆ سماجی زندگی کی اصلاح کے لیے اپنے خیالات کو پیش کرتے ہوئے یا مسلمانوں کو اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے سب سے زیادہ قرآن وسنت کی اتباع پر زور دیا اور مختلف طبقہ کے مسلمانوں سے خطاب میں یہی ان کا مشترک پیغام تھا اور اسی کی قبولیت واس پر عمل آوری کو انھوں نے ان کے مرض کے ازالہ کے لیے سب سے کارگر ومفید نسخہ بتایا۔ مزید برآں اپنی تصنیفی وتالیفی مصروفیات کے ذریعہ وہ اسی نسخہ کی تشریح وتوضیح فرماتے رہے اور اس کی اہمیت وتاثیر دلوں میں نقش کرتے رہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے جن حالات میں اپنی اصلاحی تحریک شروع کی اور لوگوں کو رجوع الی القرآن والسنۃ کی دعوت دی ان کا نقشہ خود شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں کھینچا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی ایسا طبقہ نہیں تھا جس کی زندگی فساد یا بگاڑ کا شکار نہ ہو، عام طور پر قرآن وحدیث سے بے توجہی پائی جاتی تھی۔ مجالس آرائی یا پڑھے لکھے لوگوں کی حلقہ بندی کا رواج تھا لیکن ان حلقوں میں بس قصے کہانی کی کتابیں، صوفیاء کے ملفوظات، مشہور فارسی شعراء کے اشعار اور حکماء وفلاسفہ کے اقوال کا چرچا ہوتا تھا۔ شاہ صاحب نے فارسی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں ان مروجہ کتابوں میں سے کچھ کا نام ظاہر کرتے ہوئے اپنے زمانہ کی صورت حال کی بہترین عکاسی فرمائی ہے۔ خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں:

> ’’چناں کہ یاران سعادت مند مثنوی مولانا جلال الدین، گلستان شیخ سعدی ومنطق الطیر شیخ فریدالدین عطار وقصص فارابی ونفحات مولانا عبدالرحمٰن وامثال آں نقل مجلس دارند، چہ باشد اگر ایں ترجمہ را ہمہاں

اسلوب درمیان آرند و حصہ از شغل خاطر بادراک آں گمارند۔ گر آں شغل با کلام اولیاء است ایں بر شغل کلام اللہ و اگر آں مواعظ حکیماں است ایں مواعظ احکم الحاکمین است‘‘ (فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ورق ۳ ب)

ان باتوں سے شاہ صاحب کا مقصود اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ قرآن کی نسبت سے مجلسیں یا اسے سمجھنے و سمجھانے کے حلقے تقریباً مفقود تھے اور پھر یہ دعوت دینی تھی کہ اصل ضرورت تو قرآن کے مذاکرہ اور اسے سمجھنے و سمجھانے کی ہے۔ اس لیے کہ اس سے بڑھ کر نصیحت کی کوئی اور بات ہو ہی نہیں سکتی اور اس سے زیادہ کسی اور کتاب میں حکمت و دانائی کی بات مل ہی نہیں سکتی۔ مسلم معاشرہ کی جس صورت حال میں شاہ ولی اللہ نے اپنی دعوت قرآن شروع کی اس میں انھوں نے ضروری سمجھا کہ سرچشمہ ہدایت ہونے کے حیثیت سے قرآن کریم کے مقام و مرتبہ کو واضح کیا جائے، لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت و قدر و قیمت جاگزیں کی جائے اور اس نسخۂ کیمیا سے فیض یابی کی ضرورت و اہمیت دل و دماغ میں نقش کی جائے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتب و رسائل میں مختلف طور پر قرآن مجید کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کا خاص اہتمام فرمایا ہے، کہیں انھوں نے علم قرآن کو اعظم العلوم، اجل العلوم و انجل العلوم سے تعبیر کیا (التفہیمات الالٰہیہ، المجمع العلمی، ڈابھیل، ۱۹۳۶ء، ۱۶۲/۲)، تو کبھی انھوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے ان میں سب سے بڑی نعمت فہم قرآن ہے اور یہ کہ اس کمترین امت پر نبی کریم ﷺ کے بہت احسانات ہیں ان میں سب سے عظیم احسان قرآن کی تبلیغ (یعنی اس کے پیغام کی ترسیل) ہے اور وہ اس طور پر کہ آپ ﷺ نے قرآن کی تلقین قرن اول کو فرمائی درجہ بہ درجہ اس خاکسار کو بھی اس کی روایت و درایت سے حصہ ملا (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مطبعۃ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء، ص ۲۵)۔ اتباع رسول اور حدیث کی اہمیت واضح کرتے ہوئے شاہ صاحب نے اسے ’’عمدۃ العلوم الیقینیہ‘‘ اور ’’مبنی العلوم الدینیہ‘‘ قرار دیا اور رسول اکرم ﷺ کی سنت کو بہترین سنت سے تعبیر کیا (حجۃ اللہ البالغہ،

کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۱۳۷۳ھ، ۲/۱، مصفیٰ (فارسی شرح موطا امام مالک) کتب خانہ رحیمیہ، دہلی، ۱۳۴۶ھ، ص۲)

اہم بات یہ کہ شاہ ولی اللہ نے نہ صرف یہ کہ قرآن وسنت کے مقام ومرتبہ کو واضح فرمایا بلکہ اپنے زمانہ کے حالات کے پیش نظر لوگوں کو بار بار یہ دعوت بھی دی کہ وہ انھیں پڑھیں و سمجھنے کی کوشش کریں اور ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ شاہ صاحب نے خود بھی بچپن ہی سے اس کی جانب توجہ دی، وہ اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیم سے قرآن کا معنی ومفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے، ان کا ذوق فہم قرآن اسی دور کی یادگار ہے اور اس میں ان کے والد کی تعلیم وتربیت کا خاص دخل رہا ہے جیسا کہ خود انھوں نے اس کی صراحت کی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسہ میں قرآن عظیم کے معانی، شان نزول اور کتب تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے کلام قدسی میں تدبر حاصل کرنے کا موقع ملا جو میرے لیے ایک عظیم فتح تھی اور اس پر خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے'' (انفاس العارفین، اردو ترجمہ: محمد الفاروق القادری، مکتبہ الفلاح، دیوبند، بدون تاریخ، ص۴۰۴-۴۰۵) انھوں نے اپنے مقررہ نصاب تعلیم میں اس بات کو خاص اہمیت دی کہ عربی زبان سے واقفیت کے بعد قرآن وحدیث کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے اور قرآن شریف کی تعلیم کے سلسلہ میں اس نکتہ پر خاص زور دیا کہ اولین مرحلہ میں بغیر تفسیر کی کسی کتاب کی مدد کے شروع سے آخر تک پورے قرآن کا ترجمہ کیا جائے اور مختصر تشریح کی جائے اور پھر دوسرے مرحلہ میں تفسیر کی کوئی کتاب سامنے رکھ کر قرآنی آیات کا معنی ومفہوم واضح کیا جائے۔ (المقالۃ الوضیئۃ فی النصیحۃ والوصیۃ، مشمولہ: مجموعہ وصایا اربعہ (مرتبہ ومترجمہ: محمد ایوب قادری) شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد (پاکستان)، ۱۹۶۴ء، ص۵۰)۔ ان سب سے اہم یہ کہ شاہ صاحب نے اپنے مشہور وصیت نامہ میں پہلی ہی وصیت میں یہ تلقین کی کہ قرآن وحدیث پر مضبوطی سے قایم رہا جائے، روزانہ ان کا کچھ حصہ پڑھا جائے، ان میں غور وفکر کیا جائے اور ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی جائے، اگر پڑھنے کی اہلیت نہ ہو تو دونوں میں سے کم از کم

ایک ورق کا ترجمہ سنا جائے۔ (حوالہ مذکورہ بالا،ص ۴۳)۔

آسان طریقہ پر ہر گھر میں قرآن کے پیغام کو یاد کرنے اور پھیلانے کا یہ عملی طریقہ تھا جس کی ترویج کے لیے شاہ صاحب نے بھرپور کوشش کی۔ درحقیقت وہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی مسلم گھر اس کتاب ہدایت کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ اس لیے کہ معاشرہ کی بگڑی ہوئی صورت حال کا یہی تقاضا تھا اور وہ اس یقین تک پہنچ گئے تھے کہ اس منبع رشد و ہدایت سے مسلمانوں کا فکری و عملی تعلق استوار ہوئے بغیر کوئی گتھی سلجھنے والی نہیں ہے۔

واقعہ یہ کہ موجودہ مسلم معاشرہ پر نظر ڈالی جائے اور مسلمانوں کے حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو آج بھی شاہ ولی اللہ کی تحریک رجوع الی القرآن والسنہ کی معنویت و افادیت پوری طرح واضح ہوجائے گی۔ قرآن کریم سے بے توجہی و غفلت کے معاملہ میں اس وقت مسلم معاشرہ کی صورت حال تقریباً وہی ہے جو اٹھارھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں تھی۔ جدید دور میں قصہ گوئی، کتاب خوانی اور شعر و شاعری کی محفلیں تو کم سے کم ہوتی جارہی ہیں، لیکن دوسری قسم کی مصروفیات و دل چسپیوں کی کمی نہیں، ٹی-وی، کمپیوٹر، انٹرنٹ و سائبر کیفے اور تفریح کے مختلف ذرائع میں ضرورت سے زیادہ انہماک و دل چسپی نے پورے معاشرہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے جس سے نوجوان طبقہ سب سے زیادہ متاثر ہے، اور پھر تعلیم کے میدان میں مقابلہ کی پروان چڑھتی ہوئی فضا اور معاشیات کی راہ میں انتھک بھاگ دوڑ کی وجہ سے موجودہ دور کا انسان مصروف سے مصروف تر نظر آتا ہے، مسلمان بھی اس سے مستثنٰی نہیں ہیں۔ اِن حالات میں مذہبی کتابوں خاص طور سے قرآن وحدیث کے پڑھنے و پڑھانے اور سمجھنے و سمجھانے میں دل چسپی کا کم ہوجانا یا اس کے لیے وقت نہ نکالنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شاہ ولی اللہ کے دور میں عام پڑھے لکھے لوگوں کی جو مصروفیات تھیں آج ان کی نوعیت تو بدل چکی ہے لیکن سرچشمہ رشد و ہدیت سے سیرابی کی طلب میں کمی یا اس نسخۂ کیمیا سے استفادہ کے شوق کی پژمردگی کا ماحول آج بھی عام طور پر چھایا ہوا ہے اور یہ صورت حال کم و بیش ہر طبقہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہے جیسا کہ شاہ صاحب کے زمانہ میں تھی، اس لیے قرآن و سنت کی طرف لوگوں کو بلانے، ان سے تعلق

مضبوط کرنے کی دعوت دینے اور ان سے استفادہ کی راہیں ہموار کرنے کی ضرورت و افادیت نہ صرف بڑھ گئی ہے بلکہ یہ وقت کا تقاضا ہوگیا ہے اور ہر فرد بالخصوص اصحاب علم کے لیے یہ مسئلہ سب سے زیادہ توجہ کا طالب بن گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے عہد میں قرآن وسنت سے لوگوں کا تعلق مضبوط کرنے، ان کی فہم کو فروغ دینے اور براہ راست ان سے استفادہ کی سہولیات بہم پہونچانے کے لیے کیا تدابیر سمجھائیں اور کون سے اقدامات کیے ان کی کچھ وضاحت یہاں ضروری معلوم ہوتی ہے، تاکہ ان کی تحریک رجوع القرآن والسنہ کے اہم پہلو سامنے آجائیں اور اس کا طریق کار واضح ہوجائے۔ مزید براں اس سے یہ اندازہ کرنے میں بھی آسانی ہوگی کہ موجودہ دور میں ان خطوط پر کام کرنے کے کیا مواقع ہیں اور وہ کس حد تک مفید ہوسکتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے زمانہ کے حالات کی روشنی میں اس بات پر خاص توجہ دی کہ لوگوں کو قرآن وسنت سے قریب لانے اور ان سے حصول رہنمائی کی ترغیب وتشویق کے لیے ضروری ہے کہ مروجہ زبان میں قرآن اور حدیث کی کسی کتاب کا ترجمہ کیا جائے، درحقیقت اسی مقصد سے انھوں نے قرآن کریم اور موطا امام مالک کے فارسی میں ترجمہ و مختصر تشریح کی نیک خدمت انجام دی۔ ترجمہ کا یہ کام محض علمی کام وتالیفی مشغلہ نہیں تھا بلکہ یہ اس تحریک کا بنیادی وضروی عنصر تھا جو انھوں نے اصلاح معاشرہ کے لیے چلائی تھی، یعنی اس کے ذریعہ لوگوں کو قرآن وحدیث سے استفادہ کی آسانی بہم پہنچانا اور ہدایت کے ان خزانوں سے فیض یابی کی راہیں ہموار کرنا، فارسی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں انھوں نے جس انداز سے مسلمانوں کے سماجی حالات اور روزمرہ مشاغل کی عکاسی کی ہے اور پھر اس کے حوالہ سے فارسی ترجمہ قرآن کی ضرورت واہمیت واضح کی ہے اس سے بھی یہی نکتہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ مزید براں ترجمہ کی زبان کے سلسلہ میں اس صراحت سے بھی یہ بات اور متحقق ہوجاتی ہے کہ اس میں وہ فارسی زبان استعمال کی گئی ہے جو ان کے عہد میں عام طور پر بولی وسمجھی جاتی ہے۔ تیسرے ترجمہ کے ساتھ مختصر تشریح اور پیچیدہ مسائل سے احتراز

سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ترجمہ کا اصلی مقصد کیا تھا، اسی طرح موطا امام مالک کی عربی شرح (مسویٰ) کی تالیف کے علاوہ فارسی میں اس مشہور مجموعۂ حدیث کے ترجمہ و تشریح (مصفٰی) سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شاہ صاحب یہ چاہتے تھے کہ عام پڑھے لکھے مسلمان قرآن کے ساتھ براہ راست حدیث سے بھی استفادہ کریں اور روزمرہ زندگی میں ان کی ہدایات کو اپنائیں اور ہر معاملہ میں ان سے سبق حاصل کریں۔ اصلاح معاشرہ کے مشن میں شاہ ولی اللہؒ نے ترجمہ وتشریح کے کاموں کو اہمیت اس وجہ سے دی کہ وہ یہ حقیقت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ لوگوں کے افکار و اعمال کو صحیح رخ پر موڑنے اور ان کی معاشرتی خرابیوں کے ازالہ کے لیے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان قرآن وسنت سے اپنا تعلق مضبوط کریں اور انھیں مشعلِ راہ بنائیں۔ شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ قرآن کے پس منظر پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بجا فرمایا ہے:

> ''الغرض شاہ صاحب نے سفر حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد یہ فیصلہ کیا کہ ہدایت عالم، اصلاح عقاید اور اللہ تعالیٰ سے طاقت ور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایات کی براہ راست اشاعت وتبلیغ سے زیادہ موثر نہیں ہوسکتا اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ و اشاعت'' (تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ، ۲۰۰۲، ۵/۱۴۵)۔

شاہ ولی اللہؒ نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں امت مسلمہ کو قرآن وسنت سے قربت پیدا کرنے اور ان کے پیغام کو سمجھنے کی جو دعوت دی اس کی معنویت و اہمیت اس وقت اور واضح ہوجاتی جب مسلمانوں کے دینی وسماجی اور معاشی وسیاسی حالات کو پیش نظر رکھا جائے۔ معاصر وغیر معاصر تاریخی کتب کے مطالعہ سے جو منظرنامہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے:

ہر طبقہ کے لوگ معاشرتی پستی واخلاقی زوال میں مبتلا تھے۔ اصحاب ثروت عام طور پر عیش پسندی، تن آسانی وفضول خرچی کے عادی تھے۔ شاہی گھرانوں میں روزانہ انواع واقسام کے کھانے اس قدر ضرورت سے زائد پکتے تھے کہ بددیانت باورچی فاضل

کھانوں کو بازار میں انتہائی کم قیمت پر بیچ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ بہت سے گھروں میں کھانا پکتا ہی نہیں تھا اور یہی بچا ہوا کھانا سستے داموں پر خرید لیتے تھے۔ شادی کے موقع پر چالیس پچاس لاکھ روپے خرچ ہو جانا معمولی بات تھی، گرچہ یہ صورت حال بادشاہ و امراء طبقہ میں پائی جاتی تھی لیکن عام لوگ بھی اس سے متاثر ہو رہے تھے۔

ضعف عقیدہ، فرائض سے بے توجہی، غیر ضروری رسوم و رواج میں انہماک اور مزارات، عرس و میلوں میں بڑھتی ہوئی دل چسپی ان کی مذہبی زندگی کے خدو خال تھے۔ پیدائش، شادی و موت کے مواقع سے تعلق رکھنے والی بہت سی ہندوانہ رسوم و روایات مسلم معاشرہ کا جز بن گئی تھیں، دربار میں بعض غیر اسلامی تہوار بڑے دھوم دھام سے منائے جاتے تھے، توہمات میں یقین، تعویذ و گنڈوں کا کثرت سے استعمال، فال نکالنے و شگون لینے کی عادت میں امیر و غریب، پڑھے لکھے و اَن پڑھ سبھی مبتلا تھے یہاں تک کہ ہر بڑی آبادی میں تعویذ نویسوں، فال نکالنے والوں اور کاہنوں کا پیشہ ور طبقہ سرگرم عمل ہو گیا تھا۔

آمدنی و خرچ میں عدم توازن کا رویہ اہل حکومت میں عام تھا۔ شان و شوکت کی نمائش، عیش و عشرت کی محافل کا انعقاد، شادی و خوشی کے مواقع پر اسراف، رشوت ستانی و بدعنوان کے برے اثرات ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ معاشی اداروں (زراعت، تجارت، صنعت و حرفت) کی ترقی میں توازن کے اصول کی خلاف ورزی ہو رہی تھی۔ دیہی علاقوں میں عام کسان و کاشت کار جاگیرداروں، زمین داروں اور بڑے بڑے کسانوں یا چودھری و مکھیا کے استحصال و غیر منصفانہ رویہ کا شکار تھے، بدعنوانی اور حکومت کے افسران کی غفلت شعاری کی وجہ سے خراج یا محصول آراضی کی آمدنی دن بہ دن کم ہوتی جا رہی تھی۔

عیش و عشرت اور حرم سرا میں وقت گذارنا بادشاہوں کا (سوائے چند کے) محبوب مشغلہ تھا، بادشاہ، امراء اور حکومت کے اہم افسران اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہ و لاپرواہ تھے، امراء کی باہمی چپقلش اور سیاسی اثر و رسوخ میں اضافہ کے لیے ایک دوسرے کے خلاف مقابلہ آرائی اور تخت و تاج کی جلد جلد تبدیلی نے سیاسی عدم استحکام و

انتشار کی کیفیت پیدا کردی تھی۔ بادشاہ کی نااہلی و مرکز میں حکومت کی کم زوری کی وجہ سے امراء و جاگیردار اپنی مالی و سیاسی پوزیشن مضبوط کرنے میں مصروف تھے، صوبائی افسران پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ ان حالات میں لازمی طور پر باغیانہ عناصر کو بڑھاوا ملا اور مغل حکومت کے داخلی و خارجی مخالفین کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگیا۔

علماء وقت بھی اپنے فرائض سے غافل ہوگئے تھے۔ قرآن و حدیث میں انہماک اور ان سے بھرپور استفادہ کے بجائے فقہ، فلسفہ و تصوف کی کتابوں سے زیادہ اشتغال رکھتے تھے۔ مسائل کے حل میں قرآن و حدیث سے براہ راست رجوع کرنے کے بجائے وہ قدیم فقہی کتب پر انحصار کرتے تھے۔ فقہی موشگافیوں میں وہ اپنی صلاحیتیں زیادہ صرف کرتے تھے اور تقلید کی ڈگر سے ہٹنے کو تیار نہ تھے، مجتہدانہ ذوق کا فقدان زمانہ کا مزاج بن گیا تھا۔ ان علماء میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو دنیوی فائدہ کی خاطر یا بادشاہ امراء کو خوش کرنے کے لیے احکام شریعت کی غلط تعبیر پیش کرنے میں بھی نہیں ہچکچاتا تھا۔

اس زمانہ میں صوفیاء کے متعدد گروہ خود بھی فکر و عمل کے اعتبار سے گمراہ تھے اور دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بن رہے تھے۔ قرآن و سنت کے خلاف بہت سے اعمال ان کی زندگی میں رائج تھے، ان میں نشہ آور چیزوں کے استعمال، ساتر لباس سے احتراز، ازدواجی زندگی سے پرہیز کرنے والے بھی تھے۔ صوفیہ کے ایک طبقہ نے پیشہ وارانہ صورت اختیار کرلی تھی اور تصوف و اس کے اشغال کو کسبِ مال کا ذریعہ بنالیا تھا۔ عوام میں اُن صوفیاء کے اثرات بڑھتے جارہے تھے جو مذہبی فرائض و واجبات کی تلقین کے بجائے انہیں اوراد و وظائف اور مخصوص صوفیانہ اعمال کا عادی بنا رہے تھے۔ (اٹھارہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے مذہبی، سماجی و اخلاقی حالات پر تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد عمر، اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۷۳ء، باب سوم و چہارم)

یہ تھے ہند کی ملت اسلامیہ کے مذہبی و سماجی، معاشی و سیاسی احوال و کوائف جن میں ولی اللٰہی تحریک نے جنم لیا اور جس انداز میں انھوں نے مسلمانوں کے الگ الگ طبقہ سے خطاب کرکے انھیں اصلاحِ احوال کی دعوت دی اس سے یہ حقیقت بخوبی ثابت ہوتی

ہے کہ معاصر مسلم معاشرہ پر ان کی نظر بہت گہری تھی، انھوں نے ہر ہر پہلو سے اس کی نبض ٹٹولی، اس کی بیماریوں وکمزوریوں کا پتہ لگایا اور ان کے اسباب پر غور وخوض کر کے علاج کی تدابیر پیش کیں۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان کے مجوزہ علاج کا بنیادی عنصر رجوع الی القرآن والسنہ تھا۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے نتائج فکر اپنی مختلف کتابوں میں پیش کیے ہیں جن میں قرآن وحدیث کے تراجم کے علاوہ حجۃ اللہ البالغہ، التفہیمات الالٰہیہ، وصیت نامہ اور مکتوبات کے مجموعے شامل ہیں۔ سچ یہ کہ مختلف موضوعات پر شاہ صاحب کی کثیر تصانیف بطور علمی یادگار ملتی ہیں اور ان میں مختلف النوع مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ ان میں سے بیش تر میں قرآن وحدیث کی ترجمانی کو اولیت دی گئی ہے اور اس فکر کی تشریح و ترجمانی پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن وسنت سے حصول رہنمائی اور ان کی ہدایات پر کار بند رہنے میں ہی مسلمانوں کے مسائل کا حل پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں میں قران وحدیث کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ بہت سے مباحث کے ضمن میں ان کے حوالے واضح طور پر نہیں ملتے لیکن اگر ان کا بغور مطالعہ وتجزیہ کیا جائے تو یہی نتیجہ اخذ ہوگا کہ وہ قرآن وحدیث سے مستفاد ہیں۔ انھوں نے علماء کے نام اپنے پیغام میں بھی اسی پر خاص زور دیا ہے کہ وہ دوسری کتابوں کے بجائے قرآن وحدیث کو اولیت دیں اور اپنے افکار وخیالات کا اصل ماخذ ومنبع انہی کتابوں کو بنائیں اور انہی کی ہدایات وتعلیمات بالخصوص قرآنی فکر کی تشریح وترجمانی کو اپنی تحریروں کا خاص مقصد قرار دیں اس لیے کہ اصلاً دین کے مبلغ وہی (علماء) ہوتے ہیں اور تحریک اصلاح کی مشنری کو چلانے والے بھی وہی ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ شاہ صاحب نے خود بھی اپنے خطبات وتحریروں میں اسی قیمتی نکتہ کو عملی طور پر برتا اور اصحاب علم واہل قلم کو بھی اسی کی دعوت دی۔ معروف پاکستانی اسکالر ڈاکٹر محمد الغزالی نے شاہ ولی اللہ کے فکری ماخذ پر روشنی ڈالتے ہوئے صحیح تبصرہ فرمایا ہے:

"The Quran remains throughout the ultimate source of his thought" *(The Socio-Political Tought of Shah Waliullah,*

Adam Publishers, New Delhi, 2004, P,6)

اسی بات کو وہ مزید واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ انسانی معاشرہ کے مسائل پر قرآنی منہاج سے نظر ڈالتے ہیں اور اسی کی روشنی میں ان کا حل بھی پیش کرتے ہیں، مزید براں قوموں کے عروج وزوال پر ان کے مباحث اور انسانی تمدن کے ارتقاء کے بارے میں ان کے خیالات کی بنیادیں بھی قرآن میں مل جائیں گی (حوالہ بالا، ص۳۶)۔

شاہ ولی اللہ کی اصلاحی تحریک کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ جیسا کہ پہلے واضح کیا جاچکا انھوں نے معاشرہ کے ہر طبقہ کو اپنی دعوت رجوع الی القرآن والسنہ کا مخاطب بنایا اور ہر ایک کو قرآن وسنت سے قربت پیدا کرنے اور ان پر کار بند رہنے کی تلقین کی، اس کی بخوبی وضاحت ان تحریروں سے ملتی ہے جن میں انھوں نے علماء، صوفیاء، اہل حکومت وعوام سب سے الگ الگ خطاب کرکے انہیں اصلاح احوال کی دعوت دی ہے۔ انھوں نے جس حکیمانہ انداز میں امت کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھی ہے اور ایک ماہر نباض کی حیثیت سے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے امراض کی تشخیص کی ہے اس سے نہ صرف مسلمانوں کی اصلاح کے تئیں ان کی دردمندی وفکرمندی کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اپنی اصلاحی تحریک شروع کرنے سے قبل انھوں نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کے حالات کا جس گہرائی سے مطالعہ وتجزیہ کیا اور جس خوش اسلوبی سے انھوں نے اسے تحریک کی ایک حکمت عملی کے طور پر اختیار کیا وہ بھی اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ معاشرہ کے مختلف قسم کے لوگوں کے لیے شاہ صاحب کے خطابات کے کچھ حصے یہاں نقل کیے جارہے ہیں تاکہ ان کے قیمتی پہلو مزید واضح طور پر سامنے آجائیں۔ طالبین علم وحاملین علم دین (طلبہ وعلماء) سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اے بدعقلو! جنھوں نے اپنا نام علماء رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف ونحو و معانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے۔ یاد رکھو علم یا تو قرآن کی کسی آیتِ محکم کا نام ہے یا سنت ثابتہ

قایمہ کا۔ چاہیے کہ قرآن سیکھو، پہلے اس کے غریب لغات حل کرو، پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ ارو اس کے مشکلات کو حل کرو۔ اسی طرح جو حدیث رسول اللہ ﷺ کی صحیح ثابت ہوچکی ہے اسے محفوظ کرلو ......

چاہیے کہ حضور ﷺ کی پوری روش کی پیروی کرو اور آپ کی سنت پر عمل کرو مگر اس میں اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو۔ اسی طرح چاہیے کہ جو تم پر فرائض ہیں انھیں سیکھو مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں، نماز کے ارکان کیا ہیں، زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے، قدرِ واجب کیا ہے، میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے...

جن علوم کی حیثیت ذرائع اور آلات (مثلاً نحو وصرف وغیرہ) کی ہے تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو نہ کہ انہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اس لیے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو"۔

(شاہ ولی اللہ دہلوی، التفہیمات الالٰہیہ، مجلس علمی، ڈابھیل، ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء، ص۲۱۴-۲۱۵/ اردو ترجمہ: سید مناظر احسن گیلانی، آغوشِ موج کا ایک در تابندہ، الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر (طبع دوم)، الفرقان بکڈپو، بریلی، ۱۹۴۱ء، ص۱۴۹-۱۵۰)

مزید براں شاہ ولی اللہ علماء کو بار بار اس کی دعوت بھی دیتے رہے کہ فقہی مسائل کے حل میں سب سے پہلے وہ لازمی طور پر قرآن وحدیث سے رجوع کریں اس لیے کہ یہی بنیادی و اولین مآخذ ہیں، انھوں نے اپنے مشہور وصیت نامہ میں پہلی ہی وصیت میں اس بات کی خاص تاکید کی کہ فروعی مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے، "جو ان کے موافق ہوں انھیں قبول کیا جائے اور جو خلاف ہوں انھیں ترک کردیا جائے۔ بہت ہی واضح لفظوں میں انھوں نے یہ حقیقت گوش گذار کی کہ امت کو قیاسی مسائل میں کسی صورت میں کتاب وسنت سے استغناء نہیں ہے (المقالۃ الوضیئۃ فی النصیحۃ والوصیۃ،

ص ۴۴/ اردو ترجمہ، ص ۲۷)

علماء یا حاملینِ علم سے اس خطاب یا انھیں نصیحت کرنے میں شاہ ولی اللہ نے خاص طور سے تین باتوں کی طرف انھیں متوجہ کیا ہے اور وہ یہ کہ تمام علوم میں علم قرآن و حدیث کے سیکھنے سکھانے پر سب سے زیادہ توجہ دی جائے، دین کی باتیں معلوم کرنے اور احکام شریعت کا علم حاصل کرنے کے لیے ان سے براہ راست استفادہ کیا جائے۔ مزید یہ کہ اکتساب علم کا سب سے بڑا مقصد لوگوں میں دین کی اشاعت اور دینی شعائر کی ترویج ہے۔ علمی صلاحیتوں کو انہی کاموں کے لیے استعمال کیا جائے نہ کہ لوگوں کو غیر ضروری باتوں میں منہمک کرنے کے لیے۔

مشائخ (پیرزادوں) سے خطاب کرتے ہوئے اور عام مسلمانوں کو گمراہ کن صوفیوں سے متنبہ کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> ''اے وہ لوگو! جو اپنے آباء و اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گذشتہ بزرگان دین کی اولاد میں سے ہو میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بنٹ گئے ہیں، ہر ایک اپنی اپنی راگ اپنی اپنی منڈی میں الاپ رہا ہے اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں سے ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے اپنی جگہ اپنے آپ کو راہ یافتہ اور راہ نما ٹھہرائے ہوئے ہے حالانکہ وہ دراصل خود گم کردۂ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لیے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ٹکے وصول کریں... اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ و رسول کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں... خبردار خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا جو اللہ

کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو...لوگو دیکھو کیا تمھارے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے:

وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ (الانعام/۱۵۳)

(یہ میری راہ ہے سیدھی، تو اس پر چل پڑو اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو، وہ تمھیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گے) (التفہیمات الالٰہیہ، ۱/۱۳-۲۱۴، الفرقان، محولہ بالا، ص۱۴۸-۱۴۹)

اس خطاب میں واضح طور پر ان گمراہ کن پیرزادوں پر نکیر کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے طریقہ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے بجائے اپنے منتخب کردہ پیشواؤں کی یا اپنی باتوں کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ وہ خود گم کردۂ راہ ہیں تو دوسروں کو کیا راہ دکھا سکتے ہیں۔ دراصل راہ مستقیم تو وہ ہے جسے قرآن نے دکھایا اور نبی کریم ﷺ نے جس پر چل کر مزید واضح کردیا ہے۔ اس خطاب میں شاہ صاحب کی یہ نصیحت بھی بڑی اہم ہے کہ ہرگز ہرگز ایسے لوگوں کی پیروی نہ کی جائے جو کتاب وسنت کے بجائے کسی اور طریقہ پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ متقشف واعظوں اور گوشہ نشیں زاہدوں (جو ہر رطب ویابس پر یقین رکھتے تھے اور جعلی وگڑھی ہوئی حدیثوں کے حوالہ سے وعظ سنا کر لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرتے تھے) سے خطاب کرتے ہوئے بڑا چبھتا ہوا سوال کرتے ہیں: ''کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے پہونچایا ہے، وہی صرف ہدایت ہے جو آپ ﷺ کی (لائی ہوئی) ہدایت ہے، پھر کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم جن افعال کو کرتے ہو وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کیا کرتے تھے'' (التفہیمات الالٰہیہ: ۱/۲۱۵، الفرقان، محولہ بالا، ص۱۵۰)

بادشاہوں یا حکمرانوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تمھیں چاہیے کہ ہر تین دن یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک حاکم

مقرر کرو جو عدل و انصاف کا مجسمہ ہو، قوی ہو، جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو اور خدا کے حدود کو قائم کر سکتا ہو اور اس میں سرگرم ہو کہ پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات نہ پیدا ہوں، نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جراءت باقی رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے، ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے، چاہیے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعہ اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکتا ہو۔

اے بادشاہو! جب تم یہ کرلوگے تو اس کے بعد ملأ اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی کہ تم لوگوں کی منزلی و عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو، ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ اور ایسا کردو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو، اسی کے بعد لوگ امن و امان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہوسکتے ہیں"۔ (التفہیمات الالٰہیہ، ۱۰/ ۲۱۵- ۲۱۷، الفرقان، محولہ بالا، ص ۱۴۶)

اس خطاب سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے حکمرانوں کو ان کے فرائض یاد دلائے، خاص طور سے انھیں اس جانب متوجہ کیا کہ وہ امور حکومت کو سنجیدگی و ذمہ داری سے انجام دیں، عدل و انصاف کے قیام اور مظلوموں کی دادرسی کو یقینی بنائیں، ایسا نہ ہو کہ کمزوروں کو طاقت ور لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے، ذمہ دار، انصاف پسند اور صاحب قوت امراء و افسران متعین کریں اور اس بات کا اہتمام کریں کہ لوگوں میں شرعی قوانین کی ترویج و تنفیذ ہو اور امن و امان قایم رہے۔ شاہ ولی اللہ کے خطاب کے یہ نکات اس زمانہ کے حالات کے اعتبار سے کافی اہمیت و معنویت رکھتے ہیں جب کہ بادشاہ و حکومت کے افسران اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہوگئے تھے، مختلف علاقوں میں باغی و شورش پسند عناصر کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں اور کمزور طاقت ور و بااثر لوگوں کی

ظلم وزیادتی کا شکار ہورہے تھے، دوسرے ان نکات پر اگر غور کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ یہی وہ فرائض ہیں جو قرآن میں حکمرانوں یا اہل اقتدار کے سلسلہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ مختلف آیات میں بعثت انبیاء کے بنیادی مقاصد اور اہل حکومت کی ذمہ داریوں میں عدل وانصاف کا قیام، احکام شریعت کا نفاذ اور دینی شعائر کی ترویج کا ذکر آیا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید/۲۵)

(ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب ومیزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قایم رہیں)

الَّذِيْنَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ (الحج/۴۱)

(یہ (مومنین) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قایم کریں وزکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں و برائی سے روکیں)

عام مسلمانوں سے شاہ ولی اللہ کا جو خطاب ہے اور اس کے ذریعہ انھوں نے جو پیغام دیا ہے وہ اپنے اندر بڑی جامعیت واہمیت رکھتا ہے۔ وہ انھیں متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں، اے آدم کے بچو! دیکھو تمھارے اخلاق سو چکے ہیں تم پر بیجا حرص و آز کا ہوکا سوار ہوگیا ہے، تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئیں ہیں اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کررہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لیے خوش گوار بنالیا ہے اور حلال تمھارے لیے بدمزہ ہوچکا ہے، پھر قسم ہے اللہ کی۔ اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے

ذریعہ پورا کرو خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، یاد رکھو ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہے جس میں وہ آرام کرے، اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو، اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے ایسی بیوی جو اس کی شرم گاہ کی حفاظت کرسکتی ہو اور اس کو رہن سہن کی جدو جہد میں مدد دے سکتی ہو، تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے۔ چاہیے کہ (وہ) اس پر خدا کا شکر کرے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے اور اپنے رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے اور اللہ کی یاد کے لیے جو فرصت ہم دست ہو اسے غنیمت شمار کرے"۔ (التفہیمات الالٰہیہ، ۱/ ۲۱۸-۲۱۹، الفرقان، محولہ بالا، ص ۱۵۱-۱۵۲)

مزید براں اس زمانہ کے مسلمان بہت سی غیر اسلامی رسوم و روایات میں مبتلا تھے ان میں سے خاص طور پر عاشوراء اور شب برات کے موقع پر جو کچھ غیر اسلامی روایات اختیار کی جاتی تھیں ان پر متنبہ کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"اسی طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں جس نے تم پر تمھاری زندگی تنگ کردی ہے مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرالیا ہے، یونہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو، ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو"۔ (حوالہ مذکور)

پھر آخر میں شاہ صاحب نے نماز، روزہ و زکوٰۃ کے باب میں جو غفلت و لاپرواہی پائی جاتی تھی اس پر نکیر ظاہر کرتے ہوئے ان فرائض کی پابندی کی مخلصانہ نصیحت کی ہے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے مسلم معاشرہ میں غیر اسلامی رسوم و روایات اور بدعات وخرافات کا دور دورہ تھا، مذہبی فرائض و واجبات سے غفلت، آمدوخرچ میں عدم توازن، پرتکلف دعوتوں کا اہتمام، حلال وحرام کی تمیز کے بغیر مال و دولت جمع کرنے کی ہوس اس وقت کے بگڑے ہوئے معاشرہ کی عکاس تھیں، اس صورت حال میں شاہ صاحب نے عام لوگوں کو فرائض کی بجا آوری میں پابندی کرنے، بدعات وخرافات اور غیر ضروری رسوم کو تیاگ دینے، اعتدال کی راہ اپنانے، دوسروں کا بوجھ بننے کے بجائے محنت کرکے کمانے اور سادہ زندگی گذارنے کی جانب جس موثر انداز میں متوجہ کیا اس کی اہمیت و افادیت سے کون انکار کرسکتا ہے، دوسرے اس تذکیر وتلقین میں قرآن وحدیث کی روشن تعلیمات کا جو پَرَتو نظر آتا ہے وہ بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوسکتا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ان خطابات ونصائح سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے کس گہرائی سے اپنے زمانہ کے حالات کا جائزہ لیا اور مختلف طبقہ کے لوگوں کے احوال کا کس باریک بینی سے مشاہدہ کرکے ان خرابیوں وکمزوریوں کی نشان دہی کی جو ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں سرایت کرگئی تھیں اور پھر ان کے ازالہ کے لیے اپنا مجوزہ نسخہ پیش کیا اور وہ تھا: قرآن وسنت سے تعلق مضبوط کرنا، ان کی ہدایات وتعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور زندگی کے ہر معاملہ میں ان پر پوری سنجیدگی سے کاربند رہنا، یہی وہ پیغام ہے جس کی ترسیل واشاعت کو شاہ صاحب نے اپنی علمی مصروفیات کا سب سے اہم مقصد بنایا۔

آخر میں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بعض جدید اسکالرس کی رائے میں شاہ صاحب نے امت کے زوال یا مسلم معاشرہ کی خرابیوں وکمزوریوں کی تین خاص وجوہ بیان کیں (۱) ضعفِ عقیدہ (۲) اخلاقی زوال (۳) اور باہمی اختلاف وافتراق۔ پہلے اور تیسرے اسباب کے دفع کے لیے انھوں نے قرآن وحدیث سے استفادہ اور ان

کی ہدایات پر عمل کرنے پر زور دیا لیکن اخلاقی زوال دور کرنے کے لیے انھوں نے تصوف کا نسخہ پیش کیا اس لیے کہ یہ براہ راست قلب سے اپیل کرتا ہے اور قلب کی صفائی یا نفس کے تزکیہ کے بغیر اخلاقی خرابیوں کا ازالہ ممکن نہیں۔ اس اپروچ سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے اور شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں بار بار اس کی وضاحت بھی فرمائی ہے کہ قرآن سے بڑھ کر دل و دماغ کو اپیل کرنے والی اور کوئی کتاب نہیں۔ یہ تو "**شفاء لما فی الصدور**" ہے، دل کی گہرائیوں میں اتر کر انسان سے باتیں کرتی ہے۔ انسان اور اس کی نفسیات کے خالق کی یہ کتاب انسان کی ایک ایک اندرونی بیماری کی نہ صرف نشان دہی کرتی ہے بلکہ اس کے خاتمہ کی تدبیر بھی بتاتی ہے۔ وہ انسان کی اخلاقی خرابیوں کی جڑوں تک پہنچ کر انھیں کاٹنے اور ان خرابیوں کے استیصال کا طریقہ سکھاتی ہے، خود نبی کریم ﷺ اخلاق وخصائل کے باب میں قرآنی ہدایات وتعلیمات کا مجسم پیکر تھے، جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے اس بیان سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے: "**کان خلقہ القرآن**"۔ پھر اسی کتاب کی تعلیمات کے ذریعہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی تطہیر قلب فرمائی اور ان کے تزکیہ نفس کا فریضہ انجام دیا، اس لیے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اخلاقی خرابیوں کے ازالہ کے لیے شاہ صاحب نے تصوف کا سہارا لیا۔

مختصر یہ کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لیے جو تحریک برپا کی اس کے فکری مآخذ قرآن وسنت تھے۔ انہی دونوں منابعِ ہدایت سے انھوں نے اس کی آبیاری کی اور مذہبی، سماجی، معاشی و سیاسی زندگی کی خرابیوں وکمزوریوں کو دور کرنے کے لیے انھوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے افکار پیش کیے۔ انھوں نے بہت ہی واضح لفظوں میں عوام، علماء، صوفیاء و اہل حکومت کو یہ پیغام دیا کہ قرآن وحدیث سے اخذ کردہ فکری غذا ہی ان کی کمزوریوں کو دور کرے گی اور ان کی زندگیوں میں سدھار لائے گی، اس لیے ان سے قربت حاصل کرنا اور ہر معاملہ میں ان سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ شاہ صاحب کی علمی مصروفیات بالخصوص ان کی تصنیفی وتالیفی سرگرمیوں سے اہل علم کے لیے یہ قیمتی سبق بھی ملتا ہے کہ وہ اپنی ذہنی

استعداد اور علمی صلاحیتوں کو قرآن کا پیغام عام کرنے اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال کریں، ان کی فہم کی راہیں آسان بنانے کے لیے بھرپور کوشش کریں اور آسان پیرایہ میں ان کی ہدایات وتعلیمات کی تشریح وترجمانی کو اپنا مشن بنائیں۔ سچ یہ کہ قرآن وسنت سے جتنی قربت لوگوں کی بڑھے گی، اتنی ہی ان کی زندگی سے غیر اسلامی رسوم وروایات کا خاتمہ ہوگا، جس ذوق وشوق سے وہ روزمرہ زندگی کے معاملات میں ان سے ہدایت حاصل کریں گے اسی قدر تیزی سے ان میں سدھار آئے گا اور بگڑا ہوا معاشرہ صحت مند ہوجائے گا اور جس سنجیدگی سے وہ ان کے مطالبات پورے کریں گے، اسی قدر جلد وہ معاشرت ومعیشت اور سیاست وحکومت ہر باب میں ایک انقلابی تبدیلی محسوس کریں گے، ایسی تبدیلی جو خوش گوار ہوگی اور امن وامان کی ضامن بھی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے اور قرآن وسنت سے تعلق مضبوط کرنے کی توفیق عنایت کرے۔

اللهم تقبل منا انک انت السميع العليم۔